قسط-۶

لکھنؤ کی کربلائیں

عالیجناب شیخ تصدق حسین صاحب حنفی ایڈوکیٹ لکھنؤ

روضہ حضرت زینبؑ معروف بہ زینبیہ

یہ روضہ مہدی گنج لکھنؤ میں راجہ ٹکیٹ رائے کے تالاب وباغ موسومہ نشاط باغ کے بالکل سامنے واقع ہے۔ اس میں داخلہ کے دو پھاٹک ہیں ایک مردانہ دوسرا زنانہ۔ روضہ کے سامنے وسیع صحن میں ایک مسجد بھی بانی روضہ کی بنوائی ہوئی موجود ہے۔ اصل عمارت سادی مگر شاندار ہے۔ دالان در دالان سے متصل شہ نشین ہے جس کے کئی درجہ کر کے سامنے کے رخ دروازوں کی جوڑیاں لگا دی گئی ہیں اور عمارت کے دونوں پہلوؤں میں کمرے ہیں۔

شہ نشین میں حضرت زینبؑ ہمشیرہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا مزار بنایا گیا ہے جس کے خطیرہ پر سیاہ پوشش ہے مزار مذکور کے عقب میں حضرت فضّہ کا مدفن بنا ہے اور برابر والے دوسرے درجہ میں جناب سکینہؑ دختر حضرت امام حسینؑ کا مرقد بنایا گیا ہے۔ اس کے کٹہرہ پر بھی چاروں طرف سیاہ غلاف چڑھا ہوا ہے۔ شہ نشین کے بالائی جانب اینٹ اور چونہ کا ایک بڑا کمرخی گنبد ہے۔ یہ روضہ ۱۲۹۷ھ ۱۸۷۸ء میں تعمیر ہوا تاریخ تعمیر ہے:

روضہ زینب محبوس ملال

۱۲۹۷ھ

اس عمارت کے متعلق خاص طور سے قابل تذکرہ شئی ایک نہایت چھوٹی مگر خوشنما مسجد بیرون روضہ ہے جو چھوٹے بچوں کے لئے موزوں معلوم ہوتی ہے اور ڈیڑھ گز کے مربع چبوترے پر کھلی ہوئی بنائی گئی تھی جس کے چھوٹے چھوٹے محرابدار در نہایت خوبصورت بنے ہوئے ہیں۔ اس کے متعلق جناب مؤدبؔ صاحب سے معلوم ہوا کہ میر مدد علی مرحوم بانی روضہ کو مسجد میں نماز پڑھنے کا ذوق تھا، مگر جب دیسوں کے زمانہ میں روضہ کے اندر زنانہ ہوجاتا تھا تو وہ اس بیرونی مسجد ملحقہ روضہ میں نماز ادا کرتے تھے۔

۱۹۳۶ء میں امروہہ کے ایک صاحب نے اس روضہ کی حالت زار دیکھ کر روزنامہ حقیقتؔ میں ایک مضمون شائع کرایا تھا جس میں تحریر کیا تھا کہ یہ روضہ نہایت شکستہ حالت میں ہے۔ چہار دیواری خام ہے جو قریب قریب سب منہدم ہے صرف قبہ باقی ہے، بقیہ تمام چھتیں شکستہ اور منہدم ہیں۔ آمدنی اس کے اخراجات کو کافی ہے لیکن متولی صاحبان نہیں معلوم کس طرح صرف کرتے ہیں جس کی وجہ سے روضہ منہدم ہو رہا ہے اور اس کی مرمت نہیں کراتے۔ سال میں دو دیسہ ہوتے ہیں جن میں مستورات پردہ نشین کے لئے قناتیں لگا کر پردہ کا انتظام کیا جاتا ہے۔

راقم السطور نے اس روضہ کو بماہ مئی ۱۹۴۵ء دیکھا تو معلوم ہوا کہ روضہ کے موجودہ متولیوں جناب مرزا سلطان بخت ونواب کاظم علی خاں صاحبان نے اس درمیان میں روضہ کی حالت بہت درست کردی ہے۔ چھتوں کی مرمت کے علاوہ اندرونی جانب استرکاری کرا کے سفیدی بھی کرادی ہے،

اور پردے کی دیواریں بھی تاحد امکان ٹھیک کرادی ہیں جس سے عمارت کی حالت بحیثیت مجموعی قابل اطمینان ہوگئی ہے مگر بعض حصے ہنوز مرمت طلب ہیں اور بوجہ کمی آمدنی پبلک کی توجہ کے محتاج ہیں ۔ اس روضہ کو میر مدد علی صاحب عرف اچھے صاحب متخلص بہ عیشؔ نے تعمیر کرایا تھا جو شہزادہ سلیماں قدر مرزا محمد حسن علی خاں برادر مختلف البطن حضرت واجد علی شاہ کے مختار اور لکھنؤ کے مشہور اور نامور شاعر و مرثیہ گو جناب عسکری میرزا صاحب عرف لاڈے صاحب مودبؔ کے نانا تھے۔

۴؍ دسمبر ۱۸۸۶ء کو بانی مذکور نے روضہ کی مرمت شکست و ریخت کے لئے کچھ آراضی بھی عقب روضہ وقف کر کے مسماۃ سردار بیگم اور ان کی چھوٹی بہن مہدی بیگم کو جائداد وقفی کا متولی مقرر کردیا اور انہیں دونوں کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا بھی اختیار دے دیا۔ مہدی بیگم کی خالہ میر مدد علی کی زوجہ ثانیہ تھیں ۔ سردار بیگم نے دسمبر ۱۸۸۹ء میں انتقال کیا۔ ان کی رحلت کے بعد مہدی بیگم تن تنہا جائداد کا انتظام کرتی رہیں۔

مہدی بیگم شاہزادہ سلیمان قدر کو منسوب تھیں ان کی شادی شہزادہ صاحب کے ساتھ بتاریخ ۲؍ اگست ۱۸۷۱ء بہ تعین مہر دس لاکھ روپیہ ہوئی تھی ۔ اور موصوفہ کو سسرال سے ثریا بہو کا خطاب عطا ہوا تھا۔

اس وقت شہزادہ صاحب کی دو منکوحہ اور تین ممتوعہ بیویاں پہلے سے موجود تھیں چنانچہ علاوہ نکاح نامہ کے بتاریخ ۳؍ اگست سنہ مذکور موصوف کو ایک اقرار نامہ بھی بحق ثریا بہو تحریر کرنا پڑا جس کی رو سے ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ بطور خرچ پاندان اپنی نو عروس کو ادا کرنے کے پابند ہوئے اور ان کے اطمینان کے لئے اپنا سکونتی مکان بھی واقع مولوی گنج مالیتی بیس ہزار روپیہ مکفول کردیا تاکہ زر ماہانہ اگر کسی سبب سے ادا نہ ہو سکے تو چڑھا ہوا زر گذارہ جائداد مکفولہ سے وصول کرلیا جائے۔

پندرہ برس یعنی جولائی ۱۸۸۶ء تک ثریا بہو کو بجائے ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کے مبلغ دو سو روپیہ ماہوار ملتے رہے۔ اس کے بعد میاں بیوی میں کسی سبب سے ناچاقی ہوگئی جس پر موصوفہ اپنے شوہر کے یہاں سے بگڑ کر چلی گئیں اور اپنے بھائی نواب علی خاں کے ہمراہ رہنے لگیں ان کے علٰحدہ سکونت اختیار کرنے پر شہزادہ صاحب نے ناخوش ہو کر خرچ پاندان دینا موقوف کردیا جس پر ۲؍ اگست ۱۸۸۷ء کو ثریا بہو نے ان کے خلاف مبلغ دس لاکھ روپیہ زر مہر باقی ماندہ زر گذارہ کا دعویٰ ڈسٹرکٹ جج صاحب لکھنؤ کی عدالت میں دائر کردیا ۔ جج صاحب نے بتاریخ ۲۸ مارچ ۱۸۸۸ء حیثیت شوہر و دیگر امور کا لحاظ کر کے صرف مبلغ پچیس ہزار کی بالمقطع ڈگری بحق ثریا بہو صادر کردی اور آیندہ کا گذارہ بالکل موقوف کردیا۔ موصوفہ نے پریوی کونسل تک اپیل کیا مگر وہاں سے بھی فیصلہ عدالت کے ماتحت بحال رہا۔

مہدی بیگم کو روضہ زینبیہ سے بہت دلچسپی تھی چنانچہ ۷ مارچ ۱۸۹۸ء انہوں نے روضہ کے لئے کچھ مختصر سی جائداد موسومہ باؤلی باغ بھی وقف کر کے نواب عابد حسین خاں اپنے بھائی اور مرزا سجاد حسین عرف ننّن صاحب اپنے داروغہ و مختار کو جملہ جائداد موصوفہ کا متولی مقرر کردیا۔ اس کے بعد ۱۳؍ نومبر ۱۹۰۲ء کو موصوفہ نے دوسرا وقف نامہ تحریر کیا جس کی رو سے انہوں نے اپنی کل جائداد مالیتی تخمیناً پچاس ہزار روپیہ روضہ کے لئے وقف کر کے خود اپنے تئیں ، اپنے بھائی نواب عابد حسین خاں ، مرزا سجاد حسین اپنے داروغہ و مختار اور منشی فضل حسین ریونیو ایجنٹ ساکن گولا گنج لکھنؤ کو متولی قرار دے دیا جن میں سے ہر ایک کو باستثنا نواب عابد حسین مجاز کردیا کہ حسب ضرورت اپنا جانشین خود نامزد کردیا کریں ۔ منشی فضل حسین نے بعد میں تولیت قبول کرنے سے انکار کردیا اور ان کے بجائے امراؤ مرزا مقرر کئے گئے۔

اس وقف نامہ کے متعلق ایک خاص بات قابل تذکرہ یہ

ہے کہ مہدی بیگم نے بجائے اپنے بھائی کے مکان پر رجسٹری کرانے کے جہاں وہ مقیم تھیں اس کی رجسٹری روضۂ مذکور میں کرائی تھی اور اب سوائے زرپنشن وثیقہ کے جس کی تعداد چالیس روپیہ ماہوار سے بھی کم تھی ان کے پاس کوئی دوسری آمدنی والی جائداد نہ رہی۔

میر مدد علی نے تخمیناً ۱۸۹۲ء میں اس کے ایک سال بعد انتقال کیا اور اپنے ہی تعمیر کردہ روضہ میں مدفون ہوئے۔ اسی روضہ میں مؤدبؔ صاحب کے والد جناب حیدر میرزا صاحب ادبؔ اور اول الذکر کی اہلیہ سیدہ بیگم صاحبہ بھی زیر خاک موت کی میٹھی نیند سو رہی ہیں۔

مہدی بیگم نے بھی بماہ فروری ۱۹۰۳ء رحلت کی، روضہ زینبیہ ان کی بھی دوامی آرامگاہ بنا۔ ان کے انتقال پر ان کے بھائی نواب عابد حسین خاں نے ان کے کل متروکہ پر بحیثیت وارث قبضہ کرلیا۔ مابعد مرزا سجاد حسین وامراؤ مرزا متولیوں نے جائداد موقوفہ پر قبضہ کرنے کی غرض سے سب جج صاحب لکھنؤ کی عدالت میں نواب عابد حسین خاں کے خلاف دعویٰ دائر کردیا مگر عدالت مذکور نے بتاریخ ۳/مارچ ۱۹۰۶ء دعویٰ مذکور اس بنا پر خارج کردیا کہ مہدی بیگم ناخواندہ پردہ نشین خاتون تھیں مضمون وقف نامہ حسب منشاء قانون ان کو پورے طور سے سنایا اور سمجھایا نہیں گیا تھا۔ چنانچہ مسماۃ مذکور کا دستاویز وقف نامہ پر اپنے مختار کے حق میں محض دستخط کردینا کافی نہیں خیال کیا۔

اس فیصلہ کے خلاف اپیل ہونے پر جوڈیشل کمشنر صاحب اودھ نے اپنی تجویز مورخہ ۲۷/مارچ ۱۹۰۷ء میں ۷ مارچ ۱۹۹۸ء والے وقف نامہ کو تو قانوناً جائز تسلیم کرلیا۔ مگر دوسرے وقف نامہ مورخہ ۱۳/نومبر ۱۹۰۲ء والے کو عدالت ماتحت کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے ناجائز ہی قرار دیا۔ اس کے بعد پریوی کونسل میں اپیل ہوئی مگر وہاں کے ججوں نے بھی بتاریخ ۱۳/جون ۱۹۱۲ء جوڈیشل کمشنر صاحب کی رائے سے اتفاق کرکے آخری وقف نامہ کو ناجائز ہی رکھا۔ اس طور پر مہدی بیگم کا دوسرا وقف خود ان کے بھائی نواب عابد حسین کے ہاتھوں لٹ گیا۔

اس روضہ میں ہر سال دو دیسہ ہوتے ہیں جن میں امامیہ فرقہ کی پردہ نشین مستورات شریک ہوتی ہیں۔ پہلا دیسہ دسویں صفر کو حضرت سکینہؑ دختر حضرت امام حسینؑ کا ہوتا ہے اور تابوت بھی اٹھتا ہے، دوسرا دیسہ ۶/رجمادی الثانی کو حضرت زینبؑ کا ہوتا ہے جس میں خواتین کثیر تعداد میں شریک ہوتی ہیں۔ دونوں دیسوں کے ساتھ ساتھ مردانی مجلسیں بھی ہوتی ہیں۔ ان مجالس کے علاوہ ہر نوچندی جمعرات کو نیز محرم میں بارہ مجلسیں ہوتی ہیں۔

میر مدد علی مرحوم اپنی زندگی بھر دونوں دیسے بہت اولوالعزمی سے کرتے رہے۔ مہمانوں کو بذریعہ رقعہ مدعو کرتے اور ان کی خاطر تواضع تورہ بندی سے کرتے تھے اور دوسرے عام شرکاء کو پلاؤ زردہ سالن روٹی کے حصے تقسیم کرتے تھے۔ مگر ان کے انتقال کے بعد یہ باتیں خواب وخیال ہوگئیں۔

اس دیسہ کے ایک رقعہ کی نقل ہم کو اپنے محترم کرم فرما جناب مولانا آغا مہدی صاحب کی عنایت سے دستیاب ہوگئی جو درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سر جھکادے اے قلم بہر سجود
لوح پیشانی سے حاصل کر نمود
بعد تحمید خدائے ذوالمنن
چاہئے ہردم ثنائے پنجتن
لائق تحمید ہے ہر اک امامؑ
تا جناب مہدیؑ ذوالاحترام
حضرت زینبؑ کے دیسہ کی خبر
مشتہر جو ہے یہی مدنظر
قبل مغرب مومنیں آئیں یہاں

آرزو ہے لطف فرمائیں یہاں
صحت تاریخ میں کچھ شک نہیں
ہے جمادی الثانیہ کی پانچویں
شیعۂ حیدر کریں گے سرفراز
باجماعت ہوگی مغرب کی نماز
گریہ و زاری کا جب ہوگا وفور
خاکریزی ہوگی تربت پر ضرور
پھر بتاریخ ششم باصد ادب
جمع مستورات ہوں گی وقت شب
خاص یہ مجلس وہ کرتی ہیں مدام
پردۂ عصمت میں جن کا نیک نام
صورت رنگ حنا ہے مستتر
تا امام عصرؑ اس کی ہے خبر
بزم ماتم ہے یہ اس ذی جاہ کی
جو نواسی ہے رسولؐ اللہ کی
جاں فدائے بنت سلطاں نجف
گر قبول افتد زہے عزوشرف

یہ رقعہ ۲۶/۱x۳۰/۸ سائز کے حنائی باریک کاغذ پر مطبع فیض محمدی پریس لکھنؤ کا چھپا ہوا ہے، پیشانی پر قدیم طرز کی لوح جن کے وسط میں علم اور پہلوؤں میں پنجے بنے ہیں۔

ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ شوال ۱۳۶۴ھ ستمبر ۱۹۴۵ء



درگاہ حضرت عباسؑ

یہ درگاہ شہر لکھنؤ کی قدیم ترین اور نہایت مقبول زیارت گاہ ہے جو محلہ رستم نگر حلقہ سعادت گنج میں واقع ہے۔ اس میں داخلہ ایک نہایت بلند اور عالیشان دومنزلہ پھاٹک کے ذریعہ ہوتا ہے جس کی بالائی منزل میں پہلے نوبت بجا کرتی تھی مگر اب موقوف ہوگئی ہے۔ پھاٹک کی سب سے اوپر کی چھت پر آرائش اور زیبائش کے لئے چوکور مونڈھے بنا کر ان کے اوپر سنہری مخروطی بیٹھکیں رکھ کر ان کی چوٹیوں پر خوشنما سنہرے علم نصب کئے گئے ہیں جن سے عمارت کو اور چار چاند لگ گئے ہیں۔ پھاٹک کی پشت پر اندرونی جانب دونوں گوشوں میں سورۂ قل ہو اللہ بخط طغرا گول حلقہ میں نہایت خوش نما و خوش خط لکھی ہوئی موجود ہے۔ پھاٹک کے اندر جا کر ایک وسیع صحن ملتا ہے جس کے وسط میں ایک مختصر سا حوض اور دونوں بازوؤں میں غلام گردش ہے۔ صحن کے خاتمہ پر درگاہ کی اصل عمارت ہے جو حضرت عباس علیہ السلام کے روضہ واقع کربلائے معلیٰ سے مشابہ کر کے نہیں بنائی گئی ہے بلکہ اس کی قطع وضع امام باڑہ کی ایسی ہے۔ آگے کی جانب دو طویل دالان در دالان ہیں جن سے ملا ہوا شہ نشین ہے جس کے وسطی حصہ میں درگاہ کا خاص مقام ہے جس میں ہر طرف پٹکہ دار علم استادہ ہیں اور ان کی حفاظت کے لئے آگے کے رخ ٹوٹ کی ٹھپہ دار نقرئی جوڑی لگی ہے۔ یہی وہ درجہ ہے جہاں علم اور حاضریاں وغیرہ چڑھائی جاتی ہیں۔ اس کے سامنے کی دیواروں کی تزئین قطعات وغیرہ سے کی گئی ہے جن میں ایک یہ ہے:-

شاہؑ کے بچوں کے عاشق تھے جو عباسؑ علیؑ
روز عاشور کو سقائی بہشتی نے کی
جب گرا گھوڑے سے میداں میں علمدار جری
لاش پر کہتے تھے شہؑ ہائے اخی ہائے اخی
سرِ خود را برہِ دوست نثار ے کردی
حاصلِ عشق ہمیں بود کہ کارے کردی

خاص درجۂ درگاہ کے اوپر ایک نہایت خوشنما اور شاندار کمرخی سنہرا گنبد ہے جس کی کلسی پر ایک جاندار اور دیدہ زیب سنہرا علم لگا ہوا ہے۔ اس گنبد کی مرمت اول دفعہ تو نواب سعادت علی خاں نے کرائی تھی جب انہوں نے بجائے خشتی کے سنہرا گنبد تیار کرایا۔ مابعد ناظم صاحب نے ۱۳۰۶ھ میں اس کی دوبارہ مرمت کرائی جس کی تاریخ یہ ہے

شفیقم ناظم آغا علی خاں
ز ہمت موردصد مرحبا گشت
پئے تاریخ سالش گفت مہدیؔ
دوبارہ گنبد درگہ بنا گشت
۱۳۰۶ھ

اس کے بعد جب شیخ محمد حسن صاحب ڈپٹی کلکٹر وقف حسین آباد کے سکریٹری تھے تو ۱۳۴۷ھ میں تیسری دفعہ اس کی مرمت ہوئی جس کی تاریخ حضرت محشرؔ مرحوم نے کہی ہے۔
سہ بارہ گنبد درگہ بنا گشت،

مردانی درگاہ کی پشت پر مستورات پردہ نشین کے لئے زنان خانہ بھی تعمیر کرایا گیا ہے۔ اس زیارت گاہ کے بانی مبانی ایک شخص مرزا فقیر بیگ تھے جن کی دائمی خوابگاہ درگاہ کے دالان میں ہے۔ موصوف اپنی زندگی بھر خود متولی رہے ان کے بعد ان کے بیٹے مرزا فتح علی متولی رہے۔ اب تھوڑے عرصہ سے یہ درگاہ زیر نگرانی محکمہ تحفظ آثار قدیمہ ہوگئی ہے۔

اس درگاہ کی بنیاد یوں پڑی کہ بقول مصنف 'مفتاح التواریخ' ایک شخص مرزا فقیر یا مرزا فقیر بیگ نواب آصف الدولہ کے زمانۂ حکومت میں ایک سہ شاخہ اژدھات کا علم دریائے گومتی کے کنارے پوشیدہ طور پر دفن کر دیا اور اطراف شہر میں یہ مشہور کر دیا کہ مجھ کو خواب میں الہام ہوا ہے کہ جو علم معرکہ کربلا میں حضرت عباسؑ علمدار کے دست مبارک میں تھا وہ فلاں مقام پر دفن ہے تو اسے کھود کر نکال لے۔ چنانچہ وہ اپنے چند ہم مشربوں کو جمع کر کے مقام مخصوص پر لے گئے اور زمین کھود کر وہ علم نکال لیا اور اس کو نہایت ادب و احترام سے لے جا کر اپنے مکان واقع رستم نگر میں کھڑا کر دیا۔

اس واقعہ کی اتنی شہرت ہوئی کہ زن و مرد جوق در جوق زیارت کے لئے آنے لگے۔ منتیں مرادیں مانی جانے لگیں اور نقد و جنس چڑھاوے بھی چڑھنے لگے۔

اسی اثناء میں نواب آصف الدولہ نے اپنے ایک خدمت گار پر خفا ہو کر فرمایا: باوا جان کی قسم کل تیری ناک کٹوا لوں گا۔ یہ سن کر وہ بیچارہ سہم کر رہ گیا اور جا بجا منتیں ماننے لگا۔ اس علم کی خبر مشہور ہو چکی تھی چنانچہ وہ وہاں بھی گیا اور ناک بچنے کی دعا مانگی۔ اتفاقاً نواب کا غصہ کم ہو گیا اور ملازم کی ناک بھی بچ گئی بلکہ چند روز کے بعد نواب اس پر اور زیادہ عنایتوں اور نوازشوں کی بوچھار کرنے لگے۔ نواب کو اس قدر مہربان اور شفیق پا کر خادم نے ایک روز نواب کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں روز حضور نے فدوی کی ناک اڑا دینے کو ارشاد فرمایا تھا۔ مگر حضرت عباسؑ کے علم کی برکت سے غلام کی ناک برقرار رہ گئی۔ نواب نے علم مذکور کے حالات دریافت کئے تو اس نے کل کیفیت اس کے برآمد ہونے کی بیان کی۔ موصوف کو بہت استعجاب ہوا اور اپنے کسی معتمد کو مرزا فقیر بیگ کے مکان پر بھیج کر ایک ہزار روپیہ بھی نذر کے لئے ارسال کئے۔ اس شخص نے واپس آ کر علم کی ساری حالت بیان کر دی چنانچہ آصف الدولہ خود علم کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور ایک خشتی گنبد وہاں تعمیر کرا دیا حاکم وقت کی سرپرستی کے باعث اب عوام اور بھی کثرت سے آنے اور شیرینیاں چڑھانے لگے۔ حاجتمند لوگ حضرت عباسؑ کی حاضری کرنے لگے اور عشرہ محرم کے علاوہ ہر پنجشنبہ کو بڑی چہل پہل ہونے لگی۔

اس علم کی اصلیت کے متعلق سید غلام علی نقوی مصنف 'عماد السعادت' اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں۔ **موافق کتاب جمیع تبرکات در توشک خانہ حضرت صاحب الامر اند لیکن چوں بنام حضرت عباسؑ شہرت داشت خواص و عوام ہمہ بزیارت می رفتند و بر مبلغ نذور کہ جمع میشد اوقات صاحب خانہ بود۔ بتاریخ ہفتم ماہ محرم علمہائے تمام شہر برآں آستانہ عالی می آمدند۔ سوائے ایں تاریخ روزہائے دیگر نیز در محرم ہمیں حال بود لیکن بروز**

مذکور هیچ جا علمی نبود که آنجانیاید۔ دروقت آصف الدوله آں مکان مکانے بود مشتمل بر دیوار هائے خام وسقف خام وصحن مختصرے۔

"یعنی مرزا فقیر بیگ والا علم وہ علم تو ہو نہیں سکتا جو میدان کربلا میں حضرت عباسؑ کے دست مبارک میں تھا کیونکہ کتاب کی رو سے کل تبرکات حضرت آخر الزماںؑ کے قبضے میں ہیں مگر چونکہ اس کو حضرت عباسؑ کے نام نامی سے منسوب کیا گیا تھا اس لئے شریف و وضیع، امیر وغریب سب اس کی زیارت کو جاتے تھے اور جو کچھ چڑھاوٗں کا روپیہ جمع ہوتا تھا اس سے صاحب خانہ کی بسر اوقات ہوتی تھی۔ محرم کی ساتویں تاریخ کو تمام شہر کے علم وہاں آتے ہیں۔ اس تاریخ کے علاوہ بھی اور تاریخوں میں اور محرم کے زمانہ میں برابر علم آیا کرتے تھے مگر تاریخ مذکور کو کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں سے اس آستانہ پر علم نہ آتا ہو۔ نواب آصف الدولہ کے زمانہ تک یہ مکان بالکل خام تھا، اس کی چھت اور دیواریں کل خام تھیں اور صحن مختصر سا تھا۔

نواب سعادت علی خاں کے زمانہ میں اس درگاہ کی بہت ترقی ہوئی۔ مولانا نجم الغنیؔ 'تاریخ اودھ' کی جلد سوم میں تحریر کرتے ہیں:

نواب سعادت علی خاں اور نواب آصف الدولہ کے دلوں میں نفاق تھا۔ نواب سعادت علی خاں بنارس میں رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے دل میں یہ نیت کی کہ اگر بعد انتقال نواب آصف الدولہ مجھ کو حکومت حاصل ہوگئی تو جناب عباسؑ کی درگاہ کو رونق دوں گا۔ اور گنبد طلائی درگاہ وسیع تعمیر کراؤں گا چنانچہ بعد انتقال نواب آصف الدولہ وگرفتاری وزیر علی خاں ایسا ہی ظہور میں آیا کہ نواب سعادت علی خاں مسند نشین ہوئے۔ انہوں نے گنبد خشتی کو طلائی کیا اور درگاہ وسیع تعمیر کرائی۔ اور اس کے دو درجے قرار دیے یعنی ایک درگاہ مردانی اور دوسری زنانی تعمیر کرائی اس کی آمدنی کچھ خادموں کے حصہ میں آتی تھی اور کچھ سرکار میں داخل ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ وہاں کی آمدنی لاکھوں روپیہ سالانہ کو پہونچی۔ زیارت کرنے والوں کے سوا ہزاروں تماشائی اور شہر کی پری پیکر طوائفیں بن ٹھن کر جمع ہوتی تھیں۔ سلطنت کے قیام تک یہ جلسہ بڑی دھوم دھام سے رہا۔ بعد تعمیر نواب سعادت علی خاں اس زیارت گاہ کا نام درگاہ حضرت عباسؑ مشہور ہوا۔

اس درگاہ کی تعمیرات پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے سید کمال الدین حیدر مصنف 'قیصر التواریخ' بھی جلد اول میں لکھتے ہیں:

نواب سعادت علی خاں ایک مہلک مرض سے چھٹکارا پاکر بعد غسل صحت بڑے جلوس سواری کے ساتھ درگاہ حضرت عباسؑ میں آئے۔ حاضری دسترخوان بڑے تکلف سے ہوا۔ اسی دن سے منہیات سے اجتناب کلی فرمایا تاحین حیات مرتکب نہ ہوئے۔ اور خلوص عقیدت حضرت عباسؑ سے تھا، دم آخر بھی انھیں سے اعانت چاہتے تھے مگر تقدیر الٰہی جاری ہوچکی تھی۔ خلاصہ اس خصوصیت سے تیاری درگاہ گنبد طلائی وغیرہ سے اور مکان دروازہ عالیشان اور مکان اضلاع سے سب سامان درست ہوا۔ جب سے پہرہ سرکار اور ایک داروغہ بھی سرکار سے مقرر ہوا۔ اور صندوق نقرہ وعلمہائے طلا ونقرہ مع فرش وشیشہ آلات ومیز نقرہ رکھا گیا۔ نذر ونیاز بھی زیادہ ہونے لگی مگر یہ سب نذر بانی مبانی درگاہ کو ملتی رہی۔ مرزا محمد حسن قتیلؔ(۱) نے مادہ تاریخ کہا:۔

ایں گنبد جدید بنائے سعادت است (۲)

۱۲۱۷ھ

نواب سعادت علی خاں کے حسن عقیدت کے بارے میں صاحب عماد السعادت بھی تحریر کرتے ہیں۔ در ہزار و دو صدو بیجدہ ہجری بآستانہ حضرت عباس توبہ از آتش رنگ بعمل آمد۔ وبایمائے حضور عمارت عالی در آنجا

(نوٹ۔ ۱ور۲ کا حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

تعمیر پذیر فته، گنبد مبارک تمامش ملمع طلا دارد و دیوار ہائے پختہ صحن وسیع را احاطہ نمود و دروازہ دارد سر بآسماں کشیدہ وبر روز صبح وشام گلفروشان و حلوائیان پیش دروازہ می نشینند ونیز بیشتر اجلاف در ازل شبر داراں بقعہ رفتہ چبا کہ نمی کردند۔ حالا سوائے مفائف حکیم نیست کہ احدے در آنجا شب بروز آرد وپیادہ با برائے محافظت اسباب وداروغہ از طرف حضور فیض گنجور مقرر اند۔

یعنی ۱۲۱۸ھ میں نواب سعادت علی خاں نے درگاہ حضرت عباسؑ میں حاضر ہوکر آب آتشیں سے توبہ کرلی اور موصوف کے حکم سے وہاں عالی شان عمارت تعمیر ہوئی۔ گنبد پر سونے کا ملمع کیا گیا۔

صحن وسیع کرکے پختہ دیواریں تعمیر کی گئیں اور داخلہ کا پھاٹک تو اتنا بلند ہے کہ گویا آسمان سے باتیں کررہا ہے۔ پھاٹک کے بیرونی جانب ہرروز صبح وشام کو پھول والے اور حلوائی دکانیں لگاتے ہیں۔ شہر کی چھوٹی امت کے لوگ بھی

پچھلے صفحہ کا حاشیہ ----(۱) مرزا محمد حسن المتخلص بہ قتیلؔ بن درگاہی مل از کھتریان شاہجہاں آباد (دہلی) بود بنا بر صحبت اہل اسلام بہ ملت محمد در آمد در سخن سراپا یہ اش بلند بود ودر فارسی و ترکی استعدادے کامل داشت۔ بلاد عرب وعجم وترکستان ہمہ دیدہ و محاورات فارسی وترکی بخوبی تحقیق کردہ صاحب تصانیف کثیرہ مصنف کتب معتبرہ است مدتے مصاحب امیر الامراء غازی الدین خاں بہادر عماد الملک بود بعد بہ لکھنؤ آمد وتا حیات ہمین جا بسر برد وپیش امرا وزرا توقیر بسیار یافت واستاد مسلم الثبوت گشت۔ در ۱۲۰۲ھ وفات یافت۔ بوستان اودھ از راجہ درگا پرشاد سنڈیلولی۔

(۲) گنبد جدید سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی گنبد وہاں پہلے سے موجود تھا اس کے بعد نواب سعادت علی خاں نے نیا گنبد تعمیر کرایا حالانکہ مصنف عماد السعادت نے آصف الدولہ کے تعمیر کردہ خشتی گنبد کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ مگر لفظ جدید سے مولانا نجم الغنی کا بیان صحیح ثابت ہوتا ہے۔

زیادہ تر وہاں جاکر جو جی میں آتا تھا وہ کرتے تھے۔ مگر اب سوائے متقی و پرہیزگار لوگوں کے اور کسی کو وہاں شب کو قیام کرنے کی اجازت نہیں ہے اور جناب عالی کی طرف سے اسباب کی حفاظت کے لئے داروغہ اور چوکیدار بھی مقرر ہیں۔

نواب سعادت علی خاں کے بعد ان کے بیٹے غازی الدین حیدر نے درگاہ میں ایک بلند نقار خانہ بنوایا۔ اور نوبت اور گھڑیال بھی رکھا گیا اور اندرون درگاہ نقرئی دروازہ لگا کر نقرئی منبر بھی رکھا گیا اور دیگر جملہ سامان آرائش بھی مرتب ہوا۔

غازی الدین حیدر کے بعد ان کے بیٹے ثریا جاہ نصیر الدین حیدر کے عہد دولت میں ملکہ زمانیہ نے باورچی خانہ تعمیر کرایا اور یہ قاعدہ مقرر ہوا کہ مردانی درگاہ کی آمدنی خزانہ شاہی میں داخل ہو اور زنانی درگاہ کی آمدنی مرزا فقیر بیگ کی اولاد کو ملے اس غرض سے وہاں داروغہ وتحویلدار و چوکی پہرہ بھی مقرر ہوا۔ زمانہ شاہی تک درگاہ کا یہی دستور رہا۔

نواب (۱) ملکہ زمانیہ کے شاہ نصیر الدین حیدر سے کوئی اولاد نہ تھی۔ اسی تمنا میں وہ ہر نوچندی کو درگاہ شاندار جلوس کے ساتھ جاتی تھیں اور وہاں ایک پرتکلف دسترخوان کرتی تھیں۔ ہر مہینہ اس مد میں دس ہزار روپے صرف ہوتے تھے۔

شاہ نصیر الدین حیدر کا زمانہ حکومت لکھنؤ کے شباب کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ ان کے ایک یورپین مصاحب نے اس درگاہ اور شاہی علم کے جلوس کا تذکرہ اپنی تصنیف (۲) میں ان الفاظ میں کیا ہے: ''باشندگان لکھنؤ کا اعتقاد ہے کہ امام حسینؑ کے علم کا پنجہ جسے ایک غریب زائر ملک شام سے لایا تھا۔

یہاں موجود ہے اور یہ نہایت ہی مقدس ومتبرک بارگاہ سمجھا جاتا ہے جس مکان میں یہ تبرک رکھا ہے وہ درگاہ کے نام سے موسوم ہے۔ محرم کی پانچویں تاریخ سارے لکھنؤ کے علم

(۱)۔ قیصر التواریخ، (۲)۔ ایک مشرقی بادشاہ کی نجی حالات (Private life of an Eastern king)

وہاں بڑے جلوس اور جماؤ کے ساتھ جاتے ہیں۔ درگاہ کی عمارت بہت شاندار ہے۔ اس کے درمیانی حصہ میں ایک چبوترہ بنا ہے جس کے چاروں طرف چھوٹے بڑے علم کھڑے ہیں۔ ان کے پٹکوں اور پھریروں پر نہایت نفیس مار کے بنے ہوتے ہیں۔ چبوترہ کے بیچ میں علم کا وہ پنجہ ایک بانس کے اوپر لگا ہوا ہے۔ جس نے عمارت کو زیارت گاہ بنا دیا ہے۔

پانچویں محرم کی صبح کو ہر حیثیت و ہر منزلت کے باشندے اپنے اپنے علم لے کر جوق در جوق درگاہ کی طرف جاتے نظر آتے ہیں ۔ چونکہ ایسے نمود ونمائش کے موقعوں پر یہاں کی خلقت اپنی دولت وحشمت کے اظہار کی عادی ہے لہٰذا اس کے اہتمام میں کوئی دقیقا اٹھا نہیں رکھا جاتا چنانچہ شاہی امام باڑے سے جو علم باجاہ وحشم درگاہ جاتے ہیں ان کا جلوس اور کروفر کچھ بیان کرتا ہوں۔ اس جلوس میں چھ سات ہاتھی ہوتے تھے، جن پر متفرق جھولیں پا کھر بنی پری۔ نقرئی طلائی ہودے عماریاں کسی اور گلے میں نقرئی گھنٹے اور ہیکلیں لٹکتی ہوتی تھیں ۔ ہر ایک ہاتھی پر کچھ لوگ جواہر نگار علم ہاتھوں میں لئے سوار ہوتے تھے ۔ اور ان کے ہمراہ سپاہیوں کا ایک گارڈ ہوتا تھا۔ ہاتھیوں کے پیچھے ایک شخص خاص کر سوگوار بنا ہوتا تھا ۔ اس شخص کے ہاتھ میں بانس کی ایک بڑی چھڑ سیاہ کپڑے سے منڈھی ہوئی ہوتی تھی اس چھڑ کے اوپر ایک الٹی کمان میں دو ننگی تلواریں لٹکتی ہوتی تھیں۔ اس کے پیچھے خود بادشاہ سلامت ہوتے تھے۔ ان کے گرد و پیش خاندان شاہی کے اراکین اور مقرب علماء دین ہوتے تھے۔ ان کے پیچھے ایک گھوڑا دلدل نامی ہوتا تھا۔

اس گھوڑے کے پیچھے ملازمان شاہی کی ایک جماعت اور پھر فوج کے سواروں پیدلوں کی رجمنٹیں اور تماشائی خلقت کا انبوہ کثیر ہوتا تھا۔ علم چڑھانے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ پہلے سب علم ایک دروازہ سے داخل ہوتے ہیں پھر اس پنجہ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور اس سے مس کر کے دوسرے دروازہ سے نکال دیئے جاتے ہیں تا کہ اور علموں کے آنے میں وقت نہ ہو۔ دن بھر یہی کاروائی جاری رہتی ہے اور شہر کی خلقت انبوہ اس رسم کی ادائیگی کے لئے برابر آتی رہتی ہے۔ ان میں سے بعض کو تو بھیڑ چھٹنے کے انتظار میں صبح سے تیسرا پہر ہوجاتا ہے اور بعض یوں بھی کسی اور اتفاقی سبب سے یہیں ٹھہر جاتے ہیں جس سے صبح سے شام تک ایک میلہ سا لگا رہتا ہے۔ علموں کی کثرت، تعداد اسی سے سمجھ میں آتی ہے کہ مجھے خوب یاد ہے جب میں لکھنؤ میں تھا تو میں نے ایک سال سنا تھا کہ اکی بار پچاس ہزار علم درگاہ میں چڑھائے گئے اور اس پر مجھے کچھ تعجب نہیں ہوا تھا۔

نصیرالدین حیدر شاہ کی رحلت پر ۱۸۳۷ء میں نصیرالدولہ محمد علی خاں پسر نواب سعادت علی خاں تاج وتخت کے حقدار قرار پائے انہوں نے محمد علی شاہ کا لقب اختیار کر کے اپنا امام باڑہ حسین آباد جمنیا باغ میں تعمیر کرایا جس کے داخلہ کا پھاٹک درگاہ حضرت عباسؑ کے پھاٹک کے نمونہ کا تعمیر کرایا۔

بعد انتزاع سلطنت جب سلطان عالم واجد علی شاہ کلکتہ جانے لگے تو اپنا تاج وتلوار درگاہ میں چڑھا گئے اور یہ منت مانی کہ اگر ملک واپس ملا تو اسی درگاہ میں آ کر تاج پہنوں گا اور کمر سے تلوار لگاؤں گا۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ عظیم میں اس درگاہ کی عمارت بماہ مارچ ۱۸۵۸ء احمد اللہ شاہ عرف ڈنکہ شاہ کا آخری مورچہ بنی تھی اور کئی سو پردہ نشین عورتوں نے بھی درگاہ میں پناہ لی تھی۔ گوروں نے ان کی بہت آبروریزی کی۔ اس کے بعد افسر فوج نے سبھوں کو سوار کر کے ان کے گھروں پر بھیج دیا اور فی عورت ایک روپیہ کرایہ کا بھی دیا۔ شہر کے کئی سو دھوبی بھی مع میلے کپڑوں کی لادیوں کے اسی درگاہ میں آ کر چھپے تھے۔ وہ سب کپڑے لٹ گئے۔ درگاہ کا سب سامان بھی لٹا۔ سونے کے علم ایک مہاجن نے گوروں کے ہاتھ سے روپیہ تولہ کے حساب سے خریدے اور اسباب بھی اسی طرح فروخت ہوا۔ علم خاص

جس سے درگاہ کی بنا ہوئی تھی جس کا وزن تیرہ سیر تھا اسے سب نے درگاہ سے نکلتے دیکھا کہ صحن میں شہتوت کے درخت تک آیا۔ پھر کسی نے اس کا نشان نہ پایا۔ شرف الدولہ غلام رضا خاں (جگناتھ بقال) نے اس کے لئے بڑی کوششیں کی۔ کہتے تھے جو پتہ لگا کر لا دیگا اس کو ایک ہزار روپیہ دوں گا۔ مفتاح الدولہ بھی دینے کو تیار تھے مگر اس کا حال مطلق نہ معلوم ہوا کہ کس کے ہاتھ لگا اور کس کے پاس رہا بعد غدر درگاہ نزول سرکار ہوگئی دو ایک سال کے بعد غلام رضا خاں نے اسے واگذار کرایا اور انہیں کی ضمانت سے دوبارہ کھلی۔ فی الجملہ اس کی تیاری بھی موصوف نے کی کل اسباب وعلم خاص لٹ چکا تھا امیر الدولہ میر مہدی نے کچھ شیشہ آلات وغیرہ بے مصرف سمجھ کر درگاہ میں چڑھا دیا۔ شرف الدولہ غلام رضا خاں نے کچھ جدید سامان اپنی طرف سے بھی درگاہ میں چڑھایا اور اس کی کل آمدنی خود لے کر درگاہ میں صرف کرتے تھے۔ شرف الدولہ غلام رضاخاں کے انتقال کے بعد حسب الارشاد واجد علی شاہ نواب پیارے صاحب (خلف نواب حسن علی خاں) جن کی ہمشیرہ واجد علی شاہ کے متعہ میں تھیں درگاہ کے متولی مقرر ہوئے۔ بعد غدر نواب امیر الدولہ پسر کلاں نواب رکن الدولہ محمد حسن خاں بن نواب سعادت علی خاں نے صحن درگاہ میں ایک مختصر سا حوض تعمیر کرایا جس کی تعمیر کی تاریخ سلیماں علی خاں اسدؔ نے نظم کی جو درج ذیل ہے:۔

چشمۂ فیض چو نواب امیرالدولہ
کرد تعمیر پئے نذر امام دوسرا
حوضِ نایاب بدرگاہ جناب عباسؑ
گشت مشہور جہاں ہمت آں بحرِ سخا
صرف زر شد چو دریں وجہ حسن بہر حسین
قلمم کرد رقم ثانئ کوثر بادا
۱۲۹۵ھ

اس درگاہ میں زیادہ تر حاضری چڑھائی جاتی تھی جس میں پہلے شیر مال کباب ادرک، پنیر، مولی کی قاشیں، پیاز کا لچھا اور پودینہ ہوتا تھا مگر اب شیر مال کے علاوہ دوسری چیزوں میں بہت کمی ہوگئی ہے چند پھول والے اور شیرینی فروش اب بھی صرف جمعرات جمعرات چند گھنٹوں کے لئے دوکانیں لگاتے ہیں۔ بعض اوقات دولھا دلھن اور مسلمانوں کے نوشاہ بھی بعد غسل صحت یہاں حاضری دیتے ہیں۔ نواب سعادت علی خاں کے بعد سے یہ دستور تھا کہ جو نیا بادشاہ تخت نشین ہوتا وہ اس آستانہ پر شاندار شاہی جلوس کے ساتھ ضرور حاضر ہوتا موجودہ دور کا اگر زمانہ گذشتہ سے مقابلہ کیا جائے تو زمین وآسمان کا فرق ہوگیا ہے۔ درگاہ بھی قائم ہے اور علم وزائرین بھی وہاں جاتے ہیں۔ چڑھاوے بھی چڑھتے ہیں مگر انقلاب زمانہ کے ہاتھوں نہ وہ زمانہ شاہی کی ایسی شان وشوکت ہوتی ہے نہ وہ اگلی سی بھیڑ بھاڑ نہ وہ پہلی سی چہل پہل گویا
ایک دھوپ تھی جو ساتھ گئی آفتاب کے۔

ماخوذ از ماہنامہ الواعظ لکھنؤ ذی الحجہ ومحرم ۱۳۶۵ھ/نومبر دسمبر ۱۹۴۵ء ص / ۵۵ تا ۶۲ /

❁❁❁

(صفحہ ۱۸ کا بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)
شاہزادہ نے کہا۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟
آپ نے فرمایا۔ ''کیوں نہیں۔''
شاہزادہ نے کہا۔ ''بابا پھر ہمیں موت کی کیا پروا۔ موت آئے گی تو حق پر آئے گی۔''
امامؑ خوش ہوگئے۔ فرمایا:
جزاک اللہ من ولد خیر ما جزیٰ ولداعن والدہ۔
''خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ بہترین بدلہ جو کسی فرزند کو اس کے باپ کی طرف سے دیا جاتا ہو'' (۱)
یہ تھا وہ جوہر جو آخر وقت تک آپ کے طرز عمل میں نمایاں تھا۔ آپ کے اصحاب کے طرزِ عمل میں نمایاں تھا۔ آپ کے اعزّا کے طرز عمل میں نمایاں تھا۔۔۔۔۔ (جاری)

(۱) طبری ج ۶ ص ۲۳۱، ۲۳۲